تاریخ و سیر — اسعد گیلانی

سید اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ

نام — سید احمد

والد کا نام — سید محمد عرفان

تاریخ ولادت — ۶ صفر ۱۲۰۱ھ مطابق ۲۹ نومبر ۱۷۸۶ء بروز پیر

مقام پیدائش — رائے بریلی، ہندوستان

خاندان کے ایک بزرگ شاہ علم اللہ اہل وعیال کے ساتھ سفر حجاز کی نیت سے اپنے وطن نصیر آباد سے روانہ ہوئے۔ لیکن رائے بریلی پہنچ کر ایک خدا رسیدہ بزرگ کے اصرار پر یہیں قیام کیا۔ اور پھر مستقل آباد ہو گئے۔

چار سال کی عمر میں مکتب میں بٹھائے گئے۔ لیکن طبیعت کو تعلیم سے لگاؤ نہ تھا۔ اس لیے تین سال کی مسلسل کوشش کے بعد رواجی تعلیم چھوڑ دی۔ اس دوران میں فارسی عربی کی ضروری تعلیم اور قرآن مجید کی چند سورتیں یاد ہو سکیں اور دین کے ضروری مسائل سے بھی پوری طرح آگاہی ہو گئی۔ کچھ فارسی شعراء کے پسندیدہ اشعار بھی یاد تھے۔ چنانچہ اپنی بعد کی زندگی میں جب انہوں نے اپنے آپ کو اللہ کی راہ میں ڈال دیا تھا تو اکثر یہ اشعار زبان پر رہتے جو ان کے دل میں بھڑکنے والے نصب العین کے عشق کا بہترین اظہار ہیں ؎

اے آنکہ زنی دم از محبت — از ہستی خویشتن بہ پرہیز

برخیز و بہ تیغ تیز بہ نشیں — یا از سر راہ دوست برخیز

اور یہ شعر ذوق عبودیت کا نمونہ ہے ؎

تو کریم مطلق و من گدا چہ کنی جز این کہ بخوانیم

در دگیرے خاکہ من بکجا روم چو براینم !!

بچپن سے ہی ان کی فطرت گویا انہیں جہاد کے لیے تیار کر رہی تھی۔ چنانچہ طبیعت مردانہ اور سپاہیانہ کھیلوں کی طرف بہت مائل تھی۔ ہم عمر لڑکوں کی ٹولیاں مرتب کر کے ان کو فوجیوں کی طرح آمنے سامنے لانا، ایک دوسرے کے قلعہ پر حملہ کرنا اور کبڈی بہت پسندیدہ کھیل تھے۔ ورزش کرنے،

ڈنٹر پیلنے، مگدر ہلانے، پانی کے دھارے میں بہاؤ کے خلاف تیرنے کا خاص شوق تھا۔ اور یہ واقعہ ہے کہ آئندہ زندگی میں دنیا کے چلتے ہوئے دھارے کے خلاف تیرنے کی یہ سب تیاریاں تھیں جو ان کی فطرت ان سے کرا رہی تھی۔

سترہ اٹھارہ برس کی عمر میں چند ساتھیوں کے ساتھ لکھنؤ تشریف لے گئے۔ یہ سفر پیدل کیا۔ کچھ دن لکھنؤ میں رہ کر تنہا دہلی روانہ ہو گئے۔ سفر میں کمزور اور بے سہارا مسافروں کی امداد کا خاص اہتمام رہا۔ دہلی پہنچ کر شاہ عبدالعزیزؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ مقصد حصولِ علم تھا۔ اور کسبِ فیض۔

تقریباً ساڑھے تین سال دہلی قیام کے بعد رائے بریلی واپس تشریف لے گئے۔ کچھ عرصہ قیام رہا۔ اس دوران میں شادی بھی ہوئی۔ پھر بعض مقاصد کی تکمیل کے لیے نواب امیر خاں کی سپاہ میں جا کر شامل ہو گئے۔ اور اس میں سات سال رہے اور جب اس نے انگریزوں سے صلح کے بعد آزادی ترک کر کے ریاست ٹونک کی گدی قبول کر لی تو اس سے علیحدہ ہو کر دہلی تشریف لے گئے۔ اب ان کا تقوٰی اور طہارتِ نفس ایک نمایاں مقام حاصل کر چکے تھے۔

سید صاحب نے اس دوران میں باقاعدہ غور و فکر، سیاسی حالات کے مطالعہ اور ملک میں گرتی اور ابھرتی ہوئی طاقتوں کے جائزے سے مسلمانوں کے بھیانک مستقبل کا اندازہ کر لیا تھا اور ان کے ذہن میں اصلاح و تجدید کی ایک تجویز مرتب ہو چکی تھی۔ ان کے نزدیک اس سارے انحطاط اور سارے زوال کا ایک ہی واحد علاج تھا۔

- ★ بہیم زوال پذیر مسلمان قوم کو دینی خطوط پر منظم کیا جائے۔
- ★ جہاد کی روح کو دوبارہ زندہ کیا جائے۔
- ★ باطل طاقتوں سے لڑ کر دینِ حق کو غالب کر دیا جائے، چاہے مخالفوں کو کتنا ہی ناگوار ہو۔

لیکن اس کے لیے ایک تنظیم کی ضرورت تھی، ایک مضبوط گروہ جو اللہ کی راہ میں جان و مال کی بازی لگا سکے۔ انہوں نے اس کام کی ابتدا کر دی۔

دہلی کے اکابرین میں سے مولانا شاہ اسماعیلؒ، مولانا عبدالحی اور مولانا محمد یوسف پھلتی نے بیعت کی اور کام کا آغاز ہو گیا۔ اس بیعت نے سید صاحب کی شہرت دور دور تک پہنچا دی۔ اس لیے کہ یہ بزرگ دہلی کے سب سے بڑے علمی خاندان شاہ ولی اللہی کے مقتدر بزرگ تھے۔

اب جگہ جگہ سے دعوت نامے آنے لگے۔ چنانچہ تبلیغی دوروں کا آغاز ہوگیا۔ جہاں جہاں سے دعوتِ تبلیغ و اصلاح آتی رہی، سید صاحب خود یا ان کے رفقاء وہاں پہنچ کر لوگوں کو اس نصب العین سے منسلک کرتے رہے جو ان کے پیشِ نظر تھا۔ اور راہِ حق میں لٹاتے کے لیے جانوں اور مالوں کا ذخیرہ کرتے رہے۔ اس سارے عرصے میں لوگوں نے دیکھا کہ اس نئی تحریک کا داعی اپنے مقصد سے کتنی گہری وابستگی اور خلوص رکھتا تھا۔ اور اس کے اس خلوص اور قلبی لگاؤ نے ہر اس شخص کو ان سے متاثر کیا جو ان سے ملا یا جستجوئے حق کا جذبہ لے کر ان کے پاس آیا۔

چنانچہ آپ اس ابتدائی دورِ تربیت میں لوگوں کو جہاد کی دعوت دیتے رہے۔ جہاد کے فضائل بیان کرتے رہے، جہاد کی تیاریاں کرتے رہے، اور اپنے ساتھیوں کو وہ سب صعوبتیں سہنے کی مشق کراتے رہے جو میدانِ جنگ میں حق کے حامی بے سرو سامان سپاہیوں کو پیش آسکتی ہیں۔ آپ نے سپہ گری، ورزش، اور مشقت اٹھانے کی اپنے ساتھیوں کو خاص طور پر ہدایت کی اور ان کی ہمت افزائی کی اور پھر خود اس کا عملی نمونہ بھی پیش کرتے رہے۔ اگرچہ اس ابتدائی دور میں آپ کے تعمیری کام کا بیشتر حصہ تبلیغِ مسائلِ دین اور رسم و رواج کے جاہلانہ بندھنوں کا انسداد اور بدعات کا استیصال ہی رہا۔

۱۲۳۶ھ مطابق ۳ اگست ۱۸۲۱ء کو سید صاحب حج کے لیے تیار ہوگئے اور اعلان کر دیا کہ جو چاہے ان کے ساتھ حج کے لیے جا سکتا ہے۔ سب کے اخراجات کا ذمہ انھوں نے خود اپنے اوپر لے لیا۔ اس کا پسِ منظر یہ تھا کہ اکثر علماء نے سفر میں خطرات کو سامنے رکھ کر حج کی عدمِ فرضیت کا فتویٰ دے دیا تھا جو سید صاحب کے نزدیک دین کا ایک ستون گرا دینے کے مترادف تھا۔ انھوں نے تمام خطرات کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اس فرض کو قائم کرنے کے لیے نہ صرف خود حج کا ارادہ کیا بلکہ ہر شخص کو اپنے ساتھ چلنے کا اذنِ عام دے دیا۔ اور اس کے اخراجات برداشت کرنے کا اعلان کر دیا۔ چنانچہ قادرِ مطلق نے اس کے سامان بھی فراہم کر دیئے۔ اس لیے کہ بندوں کے پاس توکل کی دولت موجود تھی۔ اور آقا کی عطا کا یہ عالم ہوا کہ دس جہاز سید صاحب کے رفقاءِ سفر سے بھر کر حج کے لیے گئے۔ ۲۹ شعبان ۱۲۳۹ھ مطابق ۲۹ اپریل ۱۸۲۴ء سید صاحب بخیر و عافیت واپس وطن تشریف لائے۔

حج سے واپسی کے بعد وہ اصل کام شروع ہوا جس کے لیے اللہ نے مومنوں سے ان کی جانوں کو جنگ کے بدلے خریدا ہوا ہے۔ سید صاحب کے سامنے اب وہ مرحلہ آگیا تھا جس کے لیے وہ اپنی جانِ عزیز کو لیے لیے پھر رہے تھے۔ اب وہ دن دور نہ تھا جب وہ ہدیۂ جان حضورِ حق

میں پیش کیا جانے والا تھا۔ ان کے سامنے کسی سلطنت کا حصول نہ تھا، کسی بادشاہت کا نیا نہ تھا، نہ خزانے کی طلب تھی صرف ایک جذبہ تھا جو مومن کے قلب سے اٹھ کر اس کی رگِ گلو کے قریب اس وقت تک پھڑکتا رہتا ہے جب تک وہ گردن اللہ کی راہ میں کٹ نہیں جاتی۔ یعنی

* صرف اللہ کی رضا کا حصول۔
* صرف مالک کو خوش کرنے کا شوق۔

صرف احیائے دین کا شوق۔

یہی کچھ فقیرِ بے نوا کی متاع تھی۔ اور اس متاع کے ساتھ وہ دنیا کے تمام عیش و آرام کے مقابلے میں فقیری کے اندر بھی شب و روز کی جدوجہد کو پسند کرتے تھے اور اس متاع کو وہ درِ مولا پر لٹانا چاہتے تھے۔

انہوں نے سرحد کو اپنی سرگرمیوں کا مرکز بنایا۔ سکھوں کی ظالم اور سفاک قوم کو جس نے پنجاب اور سرحد میں مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کر رکھا تھا اپنا پہلا ہدف بنایا اور سرحد میں اپنے محدود ساتھیوں کے ساتھ منتقل ہو کر ڈیرے ڈال دیئے۔ اور صدیوں کے بعد خالص اللہ کی رضا کے حصول کے لیے تلواریں میانوں سے باہر نکلی تھیں۔ صدیوں کے بعد خالص جہاد فی سبیل اللہ کا اعلان ہوا تھا۔

۷ر جمادی الآخر ۱۲۴۱ھ مطابق ۱۷ جنوری ۱۸۲۶ء کو دو شنبہ کے روز وہ رائے بریلی سے اپنے چار سو ساتھیوں اور نہایت حقیر زادِ راہ کے ساتھ میدانِ جہاد کے لیے براستہ سندھ بلوچستان روانہ ہوئے اور اندازاً ۲۰، ۲۵ نومبر ۱۸۲۶ء کو تقریباً نو ماہ بعد بڑی صعوبتوں سے گزر کر چارسدہ کے میدانِ جہاد میں پہنچے۔

اس کے بعد اس جہاد کا آغاز ہو گیا جس میں نیت کے اعتبار سے وہ گزشتہ کئی برسوں سے شامل تھے اور عملی لحاظ سے اپنی زندگی کے آخری لمحے تک شامل رہے۔

چنانچہ دسمبر ۱۸۲۶ء سے جنگِ اکوڑہ سے جو جنگوں کا سلسلہ شروع ہوا تو مئی ۱۸۳۱ء تک برابر جاری رہا۔ ہر معرکے میں قائد، ہر جنگ میں پیش پیش، یہاں تک کہ ۶ر مئی ۱۸۳۱ء کو بروز جمعہ تقریباً گیارہ بارہ بجے دن بالاکوٹ کے مقام پر اپنے مالک کے ساتھ معاہدۂ زندگی کی تکمیل کر دی اور بہیم لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔

اللہ ان کے مدفن پر رحمت کے پھول برسائے اور جس عزیز شے کے حصول کے لیے وہ عمر بھر جدوجہد کرتے رہے، اس عزیز شے یعنی اپنی رضا اور خوشنودی سے انہیں نواز دے۔ آمین!